37

جلسہ سالانہ پر ضرور آؤ اور ان ایام سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرو

اپنے غیراحمدی رشتہ داروں اور دوستوں کو بھی ہمراہ لاؤ تا ہمارے متعلق اُن کی غلط فہمیاں دور ہوں

(فرمودہ 10 دسمبر 1954ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''جلسہ سالانہ کے کارکنوں نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں ربوہ کی جماعت کو جلسہ سالانہ کے مہمانوں کے لیے مکانات پیش کرنے اور اِس موقع پر خدمت کے لیے والنٹیئرز پیش کرنے کی طرف توجہ دلاؤں۔ ربوہ میں سب سے بڑی دِقّت مکانات کی ہے کیونکہ ابھی یہ قصبہ پوری طرح آباد نہیں ہوا اور مکانوں کی ابھی قِلّت ہے۔ گو کچھ عمارتیں بن گئی ہیں لیکن عام طور پر ان میں کمرے ناکافی ہیں کیونکہ خریداروں کو یہی ہدایت کی گئی تھی کہ اگر تمہارے پاس زیادہ روپیہ نہیں تو فی الحال ایک ایک کمرہ اور چاردیواری ہی بنا لو اور اس ایک کمرہ میں جلسہ سالانہ کے موقع پر خود مالک مکان اور اس کے رشتہ دار آ جاتے ہیں۔

باقی کچھ مکانوں کی یہ حالت ہے کہ مکانات کی کمی کی وجہ سے اُن کے بعض حصے کرایہ پر چڑھے ہوئے ہیں اور مالکانِ مکانات کے پاس اپنے رہنے کے لیے بھی بہت کم گنجائش ہے۔ اِس لیے وہ آسانی کے ساتھ کوئی حصہ جلسہ کے مہمانوں کے لیے نہیں دے سکتے۔ لیکن بہرحال یہ دِقّت جہاں اُن کے لیے ہے وہاں سلسلہ کے لیے اُن سے بھی زیادہ ہے۔ اِس لیے کہ سلسلہ کا یہ کام سال میں چند دن کے لیے ہوتا ہے۔ دوست اپنی اپنی ضروریات کے لیے سال بھر میں مکانوں میں کچھ نہ کچھ زیادتی کر لیتے ہیں لیکن سلسلہ اپنے اِس چندروزہ کام کے لیے عمارتیں نہیں بنا سکتا۔ اگر سلسلہ اِس چندروزہ کام کے لیے مستقل عمارتیں بنانا شروع کر دے تو جماعت کے اخراجات بہت بڑھ جائیں۔ ربوہ میں آنے کے بعد ابتدائی چند سالوں میں مہمانوں کے لیے بیرکیں بنائی جاتی تھیں اور اُس پر ہر سال پندرہ بیس ہزار روپیہ خرچ ہو جاتا تھا۔ پھر وہ بیرکیں آئندہ سال استعمال بھی نہیں کی جا سکتی تھیں کیونکہ کچی اینٹیں ضائع ہو جاتی تھیں۔ اِس سال بھی بعض بیرکیں موجود ہیں۔ مثلاً زنانہ بیرکوں کا ایک حصہ باقی ہے۔ شاید مردانہ بیرکوں کا بھی کوئی حصہ باقی ہو لیکن عمارتیں زیادہ بن جانے کی وجہ سے اب پہلے کی طرح بیرکیں نہیں بنائی جاتیں۔

پس میں مقامی جماعت کے دوستوں کو اِس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ کام کرنے والوں سے تعاون کریں اور آنے والے مہمانوں کے لیے اپنے مکانات پیش کریں ورنہ اگر جلسہ سالانہ پر آنے والے مہمانوں کے رہنے کے لیے کوئی گنجائش نہ نکلی تو جلسہ کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہو جائے گا۔ اگر جلسہ سالانہ پر آنے والوں کو رہنے کے لیے جگہ نہ ملی تو لازماً انہیں تکلیف ہوگی۔ اِسی طرح جو غیراحمدی مہمان اِس موقع پر آ جاتے ہیں وہ اُن کی طعن و تشنیع کا موجب بنیں گے اور یہ ساری باتیں ایسی ہیں جو حوصلہ شکن اور دل توڑنے والی ہیں۔ پس ربوہ والوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں یہ جلسہ ساری جماعت کا ہے وہاں وہ خاص طور پر اس موقع پر میزبان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یوں تو ساری جماعت ہی میزبان ہے کیونکہ جلسہ سالانہ کا بوجھ ساری جماعت پر ہے لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ یہاں رہنے والوں کی ذمہ داریاں باقی جماعت سے زیادہ ہیں۔ جو لوگ کرایہ کے مکانوں میں رہتے ہیں وہ بھی اِس موقع پر مکانات کے

بعض حصے پیش کر سکتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی کے پاس دو کمرے ہوں تو وہ ایک کمرہ جلسہ سالانہ کے مہمانوں کے لیے دے دے، تین کمرے ہیں تو ایک کمرہ مہمانوں کے لیے دے دے اور دو کمرے اپنے پاس رکھ لے یا چار کمرے ہیں تو دو کمرے جلسہ سالانہ کے مہمانوں کے لیے دے دے اور دو کمرے اپنے لیے رکھ لے۔ اگر ہم اس طرح کریں تو مہمانوں کے لیے بہت سی گنجائش نکالی جا سکتی ہے۔ اس دفعہ کارکنوں نے کہا ہے کہ انہیں جلسہ سالانہ کے لیے چارسَو کمروں کی ضرورت ہے اور یہ بہت زیادہ مطالبہ ہے۔ ربوہ میں ابھی سات آٹھ سَو مکانات بنے ہیں۔ ان میں سے ڈیڑھ سَو مکانات ایسے ہیں جن میں صرف ایک ایک کمرہ ہے۔ باقی کچھ مکانات ایسے ہیں جن میں دو چھوٹے چھوٹے کمرے یا ان کے ساتھ ایک باورچی خانہ اور برآمدہ ہے۔ ایسی صورت میں وہ کوئی جگہ جلسہ سالانہ کے مہمانوں کے لیے نہیں دے سکتے۔ باقی ڈیڑھ دوسَو مکانات ایسے ہیں جن میں کمروں کی تعداد زیادہ ہے۔ لیکن ممکن ہے اُن میں رہنے والے تعیّش اور آرام سے رہنے کے عادی ہوں اور اِس قسم کی قربانی کرنا ان کے لیے دوبھر ہو۔ پھر ایک مشکل اَور بھی ہوتی ہے جسے ہم کسی صورت میں نظرانداز نہیں کر سکتے اور وہ یہ کہ جو لوگ مالی لحاظ سے اچھے ہوتے ہیں اُن کے واقف کار اور اُن سے تعلق رکھنے والے جلسہ سالانہ کے موقع پر اُن کے ہاں ٹھہر جاتے ہیں۔ اِس لیے کہ انہیں وہاں ٹھہرنے میں زیادہ آرام ملتا ہے لیکن باوجود اِس کے کہ وہ لوگ جلسہ سالانہ کے مہمانوں کو اپنے پاس ٹھہرا کر قربانی کرتے ہیں اور اُن کی قربانی اتنی مفید نہیں ہوتی جتنی غرباء کی قربانی مفید ہوتی ہے۔ مثلاً وہ جلسہ سالانہ کے مہمانوں کے لیے دو کمرے پیش کر دیتے ہیں اور ان میں ایک ایک مہمان یا ایک ایک گھرانہ ٹھہر جاتا ہے۔ تو ان کی قربانی کی وجہ سے صرف دو مہمانوں یا دو گھرانوں کو جگہ ملی۔ لیکن انہی دو کمروں میں عام لوگوں کی طرح مہمان اکٹھے رہتے تو ایک کمرہ میں عورتوں کو رکھا جاتا اور دوسرے کمرہ میں مرد آرام کر لیتے اور اِس طرح بجائے دو آدمیوں یا گھرانوں کے بیس آدمی ٹھہر جاتے۔ گویا جہاں تک قربانی کا سوال ہے انہوں نے اُتنی ہی قربانی کی جتنی غرباء نے کی تھی لیکن ان کی قربانی سے دو آدمیوں نے فائدہ اُٹھایا اور ان کی قربانی سے بیس آدمیوں نے فائدہ اُٹھایا حالانکہ بسااوقات آسودہ حال لوگوں کی قربانی زیادہ ہوتی ہے

کیونکہ ان میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جو اِن دنوں کچھ مالی بوجھ بھی اُٹھاتے ہیں۔ مثلاً بعض ایسے ہوتے ہیں جو اِس موقع پر مہمانوں کا کھانا خود تیار کرتے ہیں یا اگر کھانا انہیں گھر سے نہیں کھلاتے تو انہیں ناشتہ کرا دیتے ہیں۔ اس لیے مالی لحاظ سے ان کی قربانی بہت زیادہ ہوتی ہے لیکن سلسلہ کو فائدہ بہت کم ہوتا ہے۔ پس اگر اس بات کو بھی مدنظر رکھا جائے تو یہ بوجھ اَور بھی زیادہ ہو جاتا ہے کیونکہ کمروں کا ایک حصہ ایسا ہوگا جس سے اتنا فائدہ نہیں اُٹھایا جا سکے گا جتنا فائدہ دوسرے کمروں سے اُٹھایا جاتا ہے۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ ہمارے جلسہ سالانہ پر آنے والوں نے ہر سال بڑھتے جانا ہے اور جماعت نے ترقی کرتے جانا ہے سوائے اِس کے کہ کسی سال کوئی خاص وجہ پیش آ جائے اور جلسہ سالانہ کے موقع پر آنے والوں کی تعداد میں کمی آ جائے۔ مثلاً کسی سال سردی زیادہ پڑے اور لوگ کم آئیں یا خدانخواستہ کسی بیماری کی وجہ سے آنے والوں میں کمی آ جائے۔ اس لیے مکانات کی تعداد میں چاہے زیادتی ہوتی جائے ہمیں مہمانوں کے ٹھہرانے میں پھر بھی دِقّت پیش آتی رہے گی اور شاید کسی وقت سلسلہ کی مالی حالت اگر اچھی ہو جائے تو وہ مہمانوں کے لیے ایک مستقل اقامت گاہ بنا لے۔ مثلاً وہ ایسی بیرکیں بنوا لے جو پختہ ہوں اور اِس قدر وسیع ہوں کہ ان میں چالیس پچاس ہزار مہمان ٹھہر سکیں۔ اگر اس قسم کی بیرکیں تعمیر کر لی جائیں تو دوسرے کمروں میں ایسے لوگ ٹھہر سکتے ہیں جو اپنے آرام اور سہولت کی خاطر کسی علیحدہ جگہ ٹھہرنا پسند کرتے ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح جماعت ہر سال ترقی کر رہی ہے اِسی طرح دو چار سال میں جلسہ سالانہ پر آنے والوں کی تعداد چالیس پچاس ہزار سے ایک لاکھ تک ہو جائے گی۔ اور اگر چالیس پچاس ہزار مہمانوں کے ٹھہرنے کے لیے مستقل بیرکیں بھی بنا لی جائیں تب بھی مہمانوں کے لیے ٹھہرانے میں دِقّت باقی رہے گی۔ بہرحال مستقل بیرکیں بنیں یا نہ بنیں چونکہ آنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی جائے گی اِس لیے مکانوں کی دِقّت باقی رہے گی اور یہ دِقّت شاید قیامت تک یا اُس وقت تک قائم رہے گی جب تک کہ آپ کا ایمان سلامت رہے گا۔ آنے والے آئیں گے اور ٹھہرانے والے انہیں ٹھہرائیں گے۔ لیکن پھر بھی وہ سب مہمانوں کے لیے جگہ نہیں پائیں گے۔

پس جہاں میں ربوہ کے مکینوں سے یہ کہتا ہوں کہ وہ جلسہ پر آنے والوں کے لیے اپنے مکانات پیش کریں وہاں میں آنے والوں سے بھی کہتا ہوں کہ وہ اکٹھے رہیں اور علیحدہ علیحدہ ٹھہر کر کارکنوں کے لیے مشکلات پیدا کرنے کا موجب نہ ہوں۔ میں نے مکہ میں دیکھا ہے کہ وہاں حج کے موقع پر ایک ایک کمرہ میں کئی کئی مہمان ٹھہرتے ہیں۔ وہاں ہماری طرح مکانات پیش کرنے کا رواج نہیں۔ شروع سے ہی اس میں آزادی دی گئی ہے کہ آنے والے جہاں چاہیں ٹھہریں ان کے لیے کوئی خاص انتظام نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ جس مکان میں ہم ٹھہرے تھے اُس میں ایک سے زیادہ کمرے تھے۔ ہم نے چونکہ زیادہ پیسے خرچ کیے تھے اس لیے ہم تین افراد کے پاس تین کمرے تھے۔ اُن کمروں کے نیچے تین کوٹھڑیاں تھیں۔ اُن میں سے ہر ایک میں اٹھارہ سے بائیس تک حاجی ٹھہرے ہوئے تھے۔ گویا جتنی جگہ میں ہم تین افراد ٹھہرے ہوئے تھے اُسی قدر جگہ میں چوّن سے پینسٹھ تک افراد ٹھہرے ہوئے تھے۔ اِس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہاں اُن دنوں مکانات کا بہت زیادہ کرایہ لیا جاتا ہے اور عام لوگ اتنا کرایہ برداشت نہیں کر سکتے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہاں سردی زیادہ نہیں ہوتی اس لیے لوگ سامان کمروں میں رکھ لیتے ہیں اور خود گلیوں میں یا کُھلے میدان میں گزارہ کر لیتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ بعض دنوں میں سردی زیادہ بھی ہوتی ہے لیکن یہ عرصہ ہمارے ملک کی طرح زیادہ لمبا نہیں ہوتا۔ ہاں! ذرا اوپر چلے جائیں یعنی مدینہ منورہ کی طرف نکل جائیں تو سردی کے دن زیادہ ہو جاتے ہیں۔ بہرحال ہمارے ہاں مہمانوں کے ٹھہرانے کا خاص طور پر انتظام کیا جاتا ہے۔ لیکن وہاں کوئی انتظام نہیں۔ جہاں جگہ ملتی ہے حاجی ٹھہر جاتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام ہے جو ذومعانی ہے۔ نہ تو ہم اس کے کوئی خاص معنی کر سکتے ہیں اور نہ ہمیں پتا ہے کہ وہ کب اور کس طرح پورا ہو گا۔ اور وہ الہام ہے ''لنگر اُٹھا دو''۔1 اِس ''لنگر'' کے لفظ سے اگر ''کشتیوں'' والا لنگر مراد لیا جائے تو اِس کے معنی یہ ہوں گے کہ باہر نکل جاؤ اور خداتعالیٰ کے پیغام کو ہر جگہ پھیلاؤ۔ اور اگر ''لنگر'' سے ظاہری لنگرخانہ مراد لیا جائے تو پھر اِس کے یہ معنی ہوں گے کہ آنے والوں کی تعداد اِتنی بڑھ گئی ہے کہ اب لنگرخانہ کا انتظام نہیں کیا جا سکتا اس لیے لنگر اُٹھا دو اور لوگوں سے کہو کہ وہ اپنی

رہائش اور خوراک کا خود انتظام کر لیں۔ اِن دونوں مفہوموں میں سے ہم کسی مفہوم کو ابھی متعیّن نہیں کر سکتے اور نہ وقت متعیّن کر سکتے ہیں کہ ایسا کب ہوگا۔ بہرحال جب تک مہمانوں کو ٹھہرانا انسانی طاقت میں ہے اس وقت تک ہمیں یہی ہدایت ہے کہ وَسِّعْ مَكَانَكَ 2 تم اپنے مکان بڑھاتے جاؤ اور مہمانوں کے لیے گنجائش نکالو۔ مہمان خانہ اُٹھانے کا سوال اُس وقت پیش آئے گا جب مہمانوں کی تعداد اِس قدر بڑھ جائے گی کہ اُن کی خوراک کا سلسلہ کے لیے انتظام کرنا مشکل ہو جائے گا۔ لیکن اگر ''لنگر اُٹھا دو'' کا یہ مطلب نہیں کہ مہمان خانہ اُٹھا دو تو پھر اِس کے یہ معنی ہیں کہ ساکن ہونا مومن کا کام نہیں تم کشتیاں لو اور غیر ممالک میں پھیل جاؤ۔ بہرحال اِس وقت کے لحاظ سے ہم میں اتنی طاقت ہے کہ اگر ہم صحیح قربانی کریں تو ہم ہر سال مہمانوں کو ٹھہرا سکتے ہیں اور ان کے کھانے کا انتظام کر سکتے ہیں اور ایسا کرنے سے ہم پر کوئی ناقابلِ برداشت بوجھ نہیں پڑتا۔ جب وہ زمانہ آئے گا جب مہمان خانہ کا جاری رکھنا مشکل ہو جائے گا تو خداتعالیٰ کی دوسری ہدایت پہنچ جائے گی اور ''لنگر اُٹھا دو'' کے یقینی معنے ہماری سمجھ میں آ جائیں گے۔

بہرحال ہمیں مہمانوں کے ٹھہرانے کے لیے اپنی قربانی پیش کرنی چاہیے۔ اگر ہمیں اس سلسلہ میں تکلیف بھی اُٹھانی پڑے تو اس سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ آخر جلسہ سالانہ پر آنے والے بھی اپنے مکانات اور رشتہ دار چھوڑ کر آتے ہیں۔ ہر سال درجنوں واقعات ایسے پیش آتے ہیں کہ لوگ یہاں آئے اور اُن کے مکانات کے تالے ٹوٹ گئے اور اُن کا سامان لُوٹ لیا گیا۔ اور پھر ایسے واقعات بھی میں نے دیکھے ہیں کہ جلسہ سالانہ پر لوگ آئے اور اپنے بیمار بیوی بچے پیچھے چھوڑ آئے۔ بعد میں تار آئی کہ اُن کا بیمار عزیز فوت ہو گیا ہے۔ پچھلے سال ایک لڑکی یہاں آئی اور اُس کا بچہ فوت ہو گیا۔ میں نے اُس کے رشتہ داروں سے کہا تھا کہ اگر بچہ بیمار تھا تو تم جلسہ سالانہ پر کیوں آئے؟ اُس کے رشتہ داروں نے کہا کہ اِس لڑکی نے کہا تھا کہ بچہ مرے یا جیے میں نے جلسہ سالانہ پر ضرور جانا ہے۔ گویا اس لڑکی نے جلسہ سالانہ کی وجہ سے اپنے بچہ کی زندگی کی بھی پروا نہ کی۔ یہ کتنی بڑی قربانی ہے جو آنے والے کرتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں تم پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ تم قربانی کرو اور جہاں تک ہو سکے

جلسہ سالانہ پر آنے والے مہمانوں کو آرام پہنچاؤ۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم ان کی ادنیٰ سے ادنیٰ ضرورت کو پورا کرو گے۔ کیونکہ اگر ایک چھوٹے سے کمرہ میں پندرہ سولہ مہمان ٹھہریں تو انہیں آرام میسر نہیں آ سکتا۔ لیکن اگر اِس قدر بھی گنجائش پیدا نہ کی جائے تو ہم مہمانوں کو کہاں ٹھہرائیں؟ یہ چیز اب اتنے عرصہ سے جماعت کے سامنے آ رہی ہے کہ مجھے اس کے لیے کسی خاص تحریک کی ضرورت نہیں۔ جلسہ سالانہ پر چونسٹھ پینسٹھ سال گزر چکے ہیں۔ 1891ء میں پہلا جلسہ ہوا تھا۔ اس لحاظ سے اب تک اِس پر چونسٹھ سال گزر چکے ہیں۔ مگر اس سے پہلے بھی تو جماعتی اجتماع ہوتے ہوں گے۔ بہرحال جو چیز کم سے کم چونسٹھ سال سے چلی آتی ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے لیے جماعت کو اس کی ذمہ داریاں یاد دلانے کی ضرورت کیا ہے۔ تمہیں تو خود اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونا چاہیے۔ تمہارے سامنے مہمانوں کی کثرت ہوتی ہے، تمہارے سامنے ان کی پراگندگی ہوتی ہے اور تمہارے سامنے ان کی مصیبت اور قربانی ہوتی ہے۔ تمہیں خود ان باتوں کا احساس ہونا چاہیے۔

دوسری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جلسہ سالانہ کے موقع پر کام کرنے والوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر کام کرنے والے دیانتدار اور امین ہونے چاہییں۔ پچھلے سال یہ شکایت آئی تھی کہ گھروں میں جہاں جہاں مہمان ٹھہرے ہوئے تھے وہاں کھانا بڑی مقدار میں آ جاتا تھا اور نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اس کا ایک حصہ ضائع ہو جاتا تھا حالانکہ میں نے نصیحت کی ہوئی ہے کہ جو لوگ اپنے گھروں میں کھانا تیار کر سکتے ہیں انہیں لنگر سے کھانا نہیں لینا چاہیے۔ ہاں! اگر رات گئے تک انہیں کام کرنا پڑتا ہے تو وہ لنگر سے کھانا لے لیں۔ پھر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو زیادہ وسعت والے ہیں وہ اپنے مہمانوں کو بھی گھر سے کھانا دے سکتے ہیں لیکن اگر مہمان زیادہ تعداد میں آ جائیں تو وہ بیشک مہمانوں کا کھانا لنگر سے لے لیں لیکن یہ تو کریں کہ اپنا کھانا لنگر سے نہ لیں۔ ہاں! اگر مہمانوں کی خدمت کی وجہ سے انہیں کھانا تیار کرنے کا موقع نہیں ملتا تو وہ کھانا لنگر سے لے سکتے ہیں۔ لیکن یہ تو کریں کہ اپنے مہمانوں کے جذبات کو مدنظر رکھتے ہوئے کھانا لیں۔

ایک شخص نے اِسی سال ہی یہ شکایت کی ہے اور لکھا ہے کہ میرے ساتھ

ایک غیر احمدی مہمان بھی تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ جس گھر میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے وہاں چاول اور شوربا بڑی کثرت سے آتا تھا۔ اُس غیر احمدی مہمان نے کہا یہ چاول اور شوربا ہمیں تو نہیں ملتا، جاتا کہاں ہے؟ میں نے کہا یہ بیماروں کے لیے پرہیزی کھانا ہے۔اس نے کہا تو کیا اس گھر والے سب کے سب بیمار ہیں کہ ان سب کے لیے چاول آ رہے ہیں؟ اِس قسم کی حرکات کے بعد بھی وہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم سلسلہ کے خادم ہیں حالانکہ ان کے عمل کو دیکھا جائے تو وہ خادم نہیں بلکہ لُٹیرے ہیں۔

اِسی طرح ایک اَور دوست نے شکایت کی کہ ہم کھانا لینے لگے تو ہم نے دیکھا کہ سکول کا ایک استاد جو کھانا تقسیم کرنے پر مقرر تھا دیگ میں ہاتھ ڈال کر بوٹیاں اور آلو کھا رہا تھا۔ اب جو شخص کام کرتا ہے لازماً اُس نے کھانا بھی ہے۔ لیکن اگر وہ اِس طرح کھائے گا تو یقیناً دیکھنے والوں کو نفرت آئے گی۔ اگر تم کسی کے گھر دعوت پر جاؤ اور دیکھو کہ بچے ہنڈیا میں ہاتھ ڈال کر سالن کھا رہے ہیں تو میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص جس کی طبیعت میں نظافت ہو اُس ہنڈیا سے سالن کھانا گوارا کرے گا۔ وہ ضرور کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر وہاں سے آ جائے گا۔ اِسی نکتہ کو مدنظر رکھتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اَلْقَاسِمُ مَحْرُوْمٌ[3] کہ تقسیم کرنے والا محروم ہوتا ہے۔ اِس کے یہ معنی نہیں کہ تقسیم کرنے والوں کو کھانا نہیں ملنا چاہیے بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اُنہیں ایک وقت تک بھوک کو برداشت کرنا چاہیے اور پہلے دوسروں کو کھانا مہیا کرنا چاہیے۔ اگر تقسیم کرنے والے پہلے خود کھائیں اور بعد میں مہمانوں کو دیں تو دیکھنے والوں کی طبائع پر یہ بات گراں گزرے گی۔

پس ہر محکمہ کو چاہیے کہ وہ اپنے اپنے کارکنوں کی تربیت کرے۔میں نے پچھلے سال سب محکموں کو اس طرف توجہ دلائی تھی کہ وہ اپنے اپنے کارکنوں کی تربیت کریں۔ لیکن شکایت اُس ادارہ کے متعلق آئی جسے میں زیادہ منظّم سمجھتا تھا اور جس کے کارکن ہی جلسہ سالانہ کے مختلف شعبوں میں آفیسرز کے طور پر کام کرتے ہیں۔ آخر محکموں کے لیے اِس میں دِقّت کیا ہے۔ وہ بڑی آسانی کے ساتھ اپنے کارکنوں کی تربیت کر سکتے ہیں۔ یہاں میں جو کچھ کہہ رہا ہوں آپ سب سن رہے ہیں لیکن ہر ایک یہ سمجھ رہا ہے کہ میں پوشیدہ ہوں اور میرے نقائص

کسی کو نظر نہیں آ رہے۔ لیکن اگر ادارے علیحدہ طور پر اپنے اپنے کارکنوں کو سمجھائیں تو وہ یہ سمجھیں گے کہ نصیحت کرنے والا انہیں دیکھ رہا ہے۔ اس لیے اِس نصیحت پر عمل کرنا اُن کا فرض ہے۔ پس ہر ایک ادارہ اپنے سٹاف کو سمجھائے۔ سکول والے اپنے اساتذہ اور طلباء کو سمجھائیں، کالج والے اپنے اساتذہ اور طلباء کو سمجھائیں، جامعہ والے اپنے اساتذہ اور طلباء کو سمجھائیں، ریسرچ والے اپنے کارکنوں کو سمجھائیں، ہر محلّہ کے صدر اپنی اپنی جگہ جلسہ کریں اور افرادِ محلّہ کو سمجھائیں، دکاندار اپنا اجلاس کریں اور اپنی سوسائٹی میں اِس بات کو پیش کریں کہ جلسہ کے موقع پر وہ اپنی ذمہ داریوں کو کس طرح پورا کر سکتے ہیں۔

اِسی طرح یہ بھی شکایت ہے کہ جلسہ کے موقع پر باوجود منع کرنے کے دکاندار اپنی دکانیں کھول لیتے ہیں۔ وہ لوگوں پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم یہاں صرف دین کی خاطر آئے ہیں لیکن جلسہ اُن کے جھوٹ کو ظاہر کر دیتا ہے اور بتا دیتا ہے کہ وہ دین کے لیے نہیں بلکہ دنیا کمانے کے لیے آئے ہیں۔ جلسہ صرف تین دن ہوتا ہے۔ ان دنوں میں دنیا کمانے کا موقع بھی مل سکتا ہے۔ یعنی جلسہ شروع ہونے سے پہلے اور جلسہ ختم ہونے کے بعد دکانیں کھولی جا سکتی ہیں اور دنیا کمائی جا سکتی ہے۔ اور اگر دکاندار قربانی کریں تو خداتعالیٰ انہیں زیادہ بھی دے سکتا ہے۔ لیکن وہ مرکز کی ہر بات پر عمل نہیں کرتے۔ ایک طرف سے امورِ عامہ والے شور مچاتے جا رہے ہوتے ہیں کہ دکانیں بند کرو دوسری طرف خرید وفروخت ہو رہی ہوتی ہے۔ یہ بالکل مکہ مکرمہ کے بدوؤں والی بات ہو جاتی ہے۔ وہاں حج کے موقع پر بے تحاشا قربانی ہوتی ہے۔ لوگ جانور ذبح کر کے پھینک دیتے ہیں اور گوشت کی پروا بھی نہیں کرتے۔ بدوی آتے ہیں اور جونہی ذبح کرنے والا چُھری پھیرتا ہے وہ جانور کو گھسیٹ کر لے جاتے ہیں۔ میں نے سات بکرے ذبح کیے تھے۔ قدرتی طور پر جو شخص نگران تھا اُس نے ایک اچھا بکرا اپنے کھانے کے لیے چُن لیا۔ اُدھر بدوی بھی تاڑ رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اِدھر ذبح کرنے والے نے بِسْمِ اللّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر چُھری پھیری اور اُدھر بکرا خودبخود کھسکنا شروع ہوا۔ اِسی طرح سارے کے سارے بکرے غائب ہو گئے۔ آخر ایک بکرے پر ایک ساتھی بیٹھ گیا تا اُسے کوئی بدوی گھسیٹ کر نہ لے جا سکے۔ اُسی طرح یہاں ہوتا ہے۔ ایک طرف سے

امورِ عامہ والے دکانیں بند کراتے جاتے ہیں اور دوسری طرف دکانیں کھلتی جاتی ہیں۔ یہ طریق دھینگا مُشتی اور آنکھ مچولی کا ہے۔ اِس سے دیکھنے والوں پر بُرا اثر پڑتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ دنیادار لوگ ہیں دین کا یونہی نام لیتے ہیں۔ لیکن یہ بھی زیادتی ہوگی اگر جلسہ گاہ کے پاس کھانے پینے کی چند دکانیں نہ ہوں۔ ایسی بعض دکانوں کا ہونا بھی نہایت ضروری ہے تا ضرورت مند اپنی ضرورت پوری کرسکیں۔

پھر اِس دفعہ ایک شکایت یہ بھی آئی ہے کہ جلسہ سالانہ کا تقریری پروگرام بہت لمبا ہوتا ہے اور لوگ اتنا لمبا پروگرام نہیں سن سکتے۔ کچھ وقت آرام کے لیے بھی ہونا چاہیے۔ اس کا طریق یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تقریریں چھوٹی کر دی جائیں اور اِس طرح کچھ وقت آرام کے لیے نکال لیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جلسہ سالانہ کے موقع پر ایک تقریر آپؑ کی ہوتی تھی اور ایک آدھ تقریر کسی اَور عالم کی ہو جاتی تھی۔ باقی جہاں مہمان ٹھہرے ہوئے ہوتے تھے وہاں عادی لیکچرار پہنچ جاتے تھے اور تقریریں کر آتے تھے ورنہ دن کا اکثر حصہ خالی رہتا تھا۔ لیکن ہمارے ہاں ایسا طریق جاری ہوگیا ہے کہ ہم لوگوں کو سارا دن مشغول رکھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چالیس فیصدی لوگ جلسہ گاہ سے باہر پھرتے رہتے ہیں۔ لکھنے والوں نے تو بہت مبالغہ سے کام لیا ہے اور کہا ہے کہ ساٹھ فیصدی لوگ باہر پھرتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ بیس فیصدی یا چالیس فیصدی لوگ جلسہ گاہ سے باہر آ جاتے ہیں اور اِس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ اتنے لمبے پروگرام کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اب جس پر خداتعالیٰ کی طرف سے ذمہ داری عائد ہے اُس نے تو لازمی طور پر تقریر کرنی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت آپ کی تقریر لازمی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے زمانہ میں آپ کی تقریر لازمی تھی اور اب میری تقریر لازمی ہے۔ باقی پروگرام محض ضمنی ہوتا ہے۔ پس پروگرام اِس شکل میں بنانا چاہیے کہ لوگوں پر بوجھ نہ ہو۔ اِس دفعہ چھوٹی تقریریں رکھی گئی تھیں لیکن مقررین نے شور مچا دیا کہ ہمیں وقت تھوڑا دیا گیا ہے۔ اگر لمبی تقریریں ضروری ہوں تو پھر صرف چند تقاریر ہو جائیں (اور ضروری نہیں کہ ہر جلسہ پر اُس شخص کی تقریر ہو جس کی تقریر ایک دفعہ رکھی جا چکی ہے۔ باری باری مختلف جلسوں میں مختلف لوگوں کی تقریر

رکھی جاسکتی ہے)۔ اِس طرح آرام کے لیے وقفہ زیادہ ہو جائے گا اور سننے والوں کے لیے سہولت پیدا ہو جائے گی۔ پھر بیشک لوگوں پر سختی کی جائے کہ وہ تقاریر کے دوران میں جلسہ گاہ سے باہر نہ جائیں۔ اس کے بعد جس طرح پہلے بعض لوگ اقامت گاہوں میں جا کر تقاریر کیا کرتے تھے اُسی طرح اب بھی ہوسکتا ہے۔ ہماری جماعت میں بابا حسن محمد صاحب والد مولوی رحمت علی صاحب کو اِس قسم کی تقاریر کا بہت شوق تھا۔ اللہ بخش صاحب بسمے ہالی کے ایک شاعر تھے۔ اُن کو بھی تقریر کرنے کا بہت شوق تھا۔ اِسی طرح بعض اَور دوست تھے انہیں بھی تقریر کرنے کا شوق ہوتا تھا۔ میں نے دیکھا ہے کہ یہ لوگ اقامت گاہوں میں چلے جاتے اور تقریر شروع کر دیتے۔ اِسی طرح اب بھی شائقین یا کسی پروگرام کے ماتحت بعض لیکچرار اقامت گاہوں میں چلے جائیں اور وہاں تقاریر کریں تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اِس قسم کی تقاریر کو سننا لوگوں کی اپنی مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔ بہرحال زمانہ کے بدلنے کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ اب زائرین پہلے جلسوں سے بہت زیادہ ہوتے ہیں اور اُن کو آرام سے دیر تک نہیں بٹھایا جا سکتا۔ اور لوگوں کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولت مہیا کرنی چاہیے تا کہ وہ جلسہ کے پروگرام سے صحیح طور پر فائدہ اُٹھا سکیں۔

میں نے دیکھا ہے کہ ابتدا میں جلسہ پر آنے والی عورتوں کی تعداد بہت کم ہوا کرتی تھی مگر اب عورتیں زیادہ تعداد میں آتی ہیں اور پھر ان کے ساتھ بچوں کی تعداد بھی بہت ہوتی ہے۔ اُن کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ کسی سفر پر جا رہے تھے کہ آپ نے فرمایا شیشوں کا لحاظ رکھو۔4 مطلب یہ تھا کہ عورتیں ساتھ ہیں تم اِن کا لحاظ رکھو۔ بچے عورتوں سے بھی زیادہ کمزور ہوتے ہیں۔ وہ معمولی بدہضمی اور ہوا لگنے سے بیمار ہو جاتے ہیں۔ ان کا بھی لحاظ ہونا چاہیے۔ غرض ہمیں اپنے پروگرام میں تبدیلی کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ دینی سپرٹ کی وجہ سے خاصا وقت دین میں صَرف ہونا چاہیے لیکن اِس کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں کو آرام کا موقع ہی نہ دیا جائے۔

پھر باہر سے آنے والوں کو بھی میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے غیراحمدی رشتہ داروں اور دوستوں کو اپنے ساتھ لائیں۔ میں نے اِس کے متعلق پہلے بھی نصیحت کی تھی

لیکن افسوس ہے کہ جماعت نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ اگر دوست اپنے غیر احمدی رشتہ داروں اور دوستوں کو اپنے ساتھ لاتے رہیں تو بہت سے فتنے جواَب پیدا ہو رہے ہیں دور ہو جائیں۔ میں نے بارہا دیکھا ہے کہ ایک شخص کا باپ، بیوی یا بھائی بیس بیس سال تک احمدی نہیں ہوتا لیکن یہاں لاؤ تو بعض دفعہ ایک ہی دن میں احمدی ہو جاتا ہے۔ باہر جا کر تم اُسے لاکھ دلیلیں دو وہ نہیں مانے گا۔ مولوی اُٹھ کر کہہ دے گا کہ یہ منافق ہیں کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ اب وہ شخص جس مولوی کے پیچھے سالہا سال تک نماز پڑھتا رہا ہے اُسے وہ جھوٹا کیوں کہے گا۔ وہ یہی کہے گا کہ احمدی جھوٹ بولتے ہیں۔ لیکن جب وہ یہاں آتا ہے تو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ یہاں ذکرِالٰہی ہو رہا ہے، نمازیں باقاعدگی سے ادا کی جاتی ہیں، قرآن کریم پڑھا جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ مولوی کہتے ہیں وہ جھوٹ ہے۔ اِسی طرح بسا اوقات ایک ہی دن میں اُس کا دل کُھل جاتا ہے اور وہ احمدیت کو قبول کر لیتا ہے۔

یہاں آنے والوں سے قریباً پچاس ساٹھ فیصدی وہ لوگ ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ باہر تو آپ لوگوں کے متعلق عجیب عجیب باتیں مشہور ہیں لیکن یہاں دیکھا تو بالکل نقشہ ہی اَور ہے۔ مثلاً باہر ہمارے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ احمدی خدا اور اُس کے رسول کو نہیں مانتے اور یہ جہلاء کا ہی خیال نہیں بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگوں کا بھی ہمارے متعلق یہی خیال ہے۔ پچھلے دنوں بنگال سے ایک وفد یہاں آیا تو اس کے ایک ممبر نے جو وہاں لیگ کے کونسلر بھی ہیں اور اچھے تعلیم یافتہ ہیں مجھ سے نہایت شرما شرما کر ذکر کیا کہ ہم تو سنا کرتے تھے کہ آپ لوگوں نے قرآن کریم کے تیس سپاروں کی بجائے تیرہ پارے کر دیئے ہیں۔ وہ لوگ یہ باتیں اپنے علماء سے سنتے ہیں اور اُن پر یقین کر لیتے ہیں لیکن جب وہ یہاں آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ہمارا قرآن تیس پاروں کا ہی ہے تیرہ پاروں کا نہیں اور جو قرآن ہمارے گھروں میں پڑھا جاتا ہے وہ اکثر انہیں لوگوں کا شائع کردہ ہوتا ہے۔ پھر نمازیں بھی ہم اسلامی طریق کے مطابق ادا کرتے ہیں اور اس میں ہمارا دوسرے مسلمانوں سے کوئی اختلاف نہیں۔ میں مانتا ہوں کہ یہاں بھی بعض لوگ نمازوں کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہماری مساجد میں دوسرے مسلمانوں کی نسبت زیادہ رونق

ہوتی ہے۔ دوسرے لوگ یہاں آ کر دیکھتے ہیں تو اُن کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ۔ پھر یا تو وہ احمدی ہو کر جاتے ہیں یا احمدی نہیں ہوتے تو کم از کم احمدیوں کی طرف سے لڑنے والے ضرور بن جاتے ہیں۔ اور جہاں بھی احمدیوں کے متعلق خلافِ واقعہ باتوں کا پروپیگنڈا کیا جائے وہاں وہ اصل حقیقت کا اعلان کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے خود اپنی آنکھوں سے ان لوگوں کو دیکھا ہے اور ہم خود ان کے مرکز میں بھی گئے ہیں۔تم جو کچھ کہہ رہے ہو یہ بالکل جھوٹ اور خلافِ واقعہ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں مولوی ،لوگوں کو قادیان جانے سے روکتے تھے اور کہتے تھے وہاں حلوا کھلا کر لوگوں پر جادو کر دیا جاتا ہے اور وہ احمدی ہو جاتے ہیں۔ ایک دوست نے سنایا کہ ایک مولوی صاحب ایک جگہ تقریر کر رہے تھے کہ ایک مولوی اور اُن کا ایک معتقد قادیان گئے۔ جب وہ قادیان پہنچے تو انہیں ایک جگہ ٹھہرایا گیا۔ صبح ہوتے ہی اُن کے پاس حلوا لایا گیا۔ یہ حلوا جادو والا تھا۔ مولوی صاحب نے تو اُس کے کھانے سے انکار کر دیا لیکن اُن کے ساتھی نے حلوا کھا لیا۔ اس کے بعد ایک آدمی آیا اور اُس نے کہا آپ دونوں کو مرزا صاحب بلا رہے ہیں۔ چنانچہ وہ وہاں گئے۔ وہاں مرزا صاحب اور مولوی نورالدین صاحب ان کا انتظار کر رہے تھے اور ایک فٹن5 سواری کے لیے تیار تھی (حالانکہ قادیان میں آخری زمانہ تک بھی فٹن نہیں آئی)۔ اس میں وہ مولوی صاحب اور اُن کے ساتھی کو لے کر بیٹھ گئے۔ مرزا صاحب نے بتانا شروع کیا کہ میں نبی ہوں اور اسلام کی خدمت کے لیے خداتعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔مولوی صاحب تو اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ پڑھتے رہے اور ان کے ساتھی نے کہا آپ جو کچھ کہتے ہیں درست ہے۔ کیونکہ اُس نے جادو والا حلوا کھا لیا تھا۔ پھر مرزا صاحب نے کہا لوگوں کو غلطی لگی ہے۔ اصل میں مَیں خاتم النبیین ہوں۔ اِس پر مولوی صاحب تو اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ پڑھتے رہے لیکن اس کے ساتھی نے کہا آپ بالکل درست فرماتے ہیں۔ اس کے بعد مرزا صاحب نے کہا اصل حقیقت یہ ہے کہ میں خدا ہوں۔ مولوی صاحب کا ساتھی کہنے لگا بالکل ٹھیک ہے۔ میں بھی مانتا ہوں کہ آپ خدا ہیں۔ لیکن مولوی صاحب کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔مرزا صاحب نے

مولوی نورالدین صاحب کی طرف دیکھا اور کہا کیا آپ نے انہیں حلوا نہیں کھلایا تھا؟ اِس پر مولوی نورالدین صاحب نے کہا میں نے حلوا بھیجا تو تھا۔ شاید انہوں نے نہیں کھایا۔ اُس مجلس میں ایک غیراحمدی وکیل بھی بیٹھے تھے۔ وہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے پاس علاج کے لیے آئے تھے اور قادیان میں انہیں چند دن رہنے کا موقع مل چکا تھا۔ وہ یہ سنتے ہی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے مولوی صاحب! اِتنا جھوٹ! میں خود قادیان رہ آیا ہوں۔ میرے پاس تو اِس قسم کا جادو والا حلوا نہیں لایا گیا تھا۔تو پھر اب تک تو قادیان کی گلیوں اور سڑکوں کا یہ حال ہے کہ اِکّا بھی اچھی طرح نہیں چل سکتا فِٹن کہاں سے آ گئی؟ اب وہ وکیل احمدی نہیں تھے لیکن ان کی باتوں سے لوگوں کو یقین ہو گیا کہ مولوی جھوٹ بول رہا ہے۔

غرض دوسرے لوگوں کو مرکز میں لانے سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔تم زیادہ سے زیادہ انہیں یہاں لاؤ اور علمی مجالس میں بٹھاؤ اور جو شکوک اُن کے دل میں ہوں اُن کا علماء سے ازالہ کراؤ۔ گھروں میں جہاں خیالات اور عقائد کا اختلاف ہوتا ہے ہمیشہ جھگڑا رہتا ہے۔ اگر بیوی کا اَور طریق ہے اور مرد کا اَور طریق ہے تو گھریلو زندگی میں اُن کا کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور رہے گا۔ اگر ایسا ہو جائے کہ میاں اور بیوی آپس میں ملنے لگ جائیں، بھائی بھائی آپس میں ملنے لگ جائیں، باپ اور بیٹا آپس میں ملنے لگ جائیں،خُسر اور داماد آپس میں ملنے لگ جائیں اور ہمسائے، ہمسائے آپس میں ملنے لگ جائیں تو کتنی اچھی بات ہو جائے اور گھریلو زندگی کتنی خوشگوار ہو جائے۔پس تم انہیں یہاں لاؤ۔ یہاں وہ آزاد ہیں جو چاہیں سنیں اور پھر اپنے دل میں فیصلہ کریں کہ یہ درست ہے یا نہیں۔ اس کے بعد یا وہ تمہیں اپنے ساتھ ملا لیں گے یا خود تمہارے ساتھ مل جائیں گے۔ پس اول تو تم وقتاً فوقتاً مرکز میں آتے ہو لیکن اگر تمہیں باربار آنے کی توفیق نہیں تو جلسہ سالانہ پر مرکز میں ضرور آؤ اور اپنے رشتہ داروں، دوستوں اور شریکِ کار لوگوں اور ہمسایوں کو بھی اپنے ساتھ لانے کی کوشش کرو۔ممکن ہے اللہ اُن کے دل کھول دے اور تمہاری گھریلو لڑائیاں اور جھگڑے دور ہو جائیں۔ اب تک ایسے احمدی گھرانے موجود ہیں جہاں دو بھائیوں میں سے ایک بھائی بیس سال سے احمدی ہے اور دوسرا بھائی ابھی غیراحمدی ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ اُس نے اپنے غیراحمدی بھائی کو مرکز

میں لانے کی کوشش نہیں کی حالانکہ بیسیوں آدمی ایسے ہیں جو یہاں آ کر تمام حالات کو جب اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ان لوگوں میں دھوکا، فریب یا کپٹ6 نہیں۔ ان کی باتیں غور کے قابل ہیں اور پھر جب وہ علیحدگی میں ان باتوں پر غور کرتے ہیں تو احمدیت کو قبول کر لیتے ہیں۔لیکن جب تک وہ مرکز سے دور رہتے ہیں اُن کے دلوں میں کئی قسم کے شبہات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔بعض دفعہ ایک بھائی مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تو دوسرا سمجھتا ہے کہ وہ ڈنڈا مارنے لگا ہے اور یہ آپس میں میل ملاپ نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کو دیکھ لو اُن کی ہمیشہ لڑائیاں ہوتی تھیں۔ اگر وہ اطمینان سے آپس میں تبادلہ خیالات کرتے رہتے تو یہ لڑائیاں ختم ہو جاتیں۔ اَوروں کو جانے دو، ہم مسلمانوں میں بھی بہت سے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ شیعہ سنیوں کو بُرا کہتے ہیں، سُنی شیعوں کو بُرا کہتے ہیں۔ یہی دوسرے فرقوں کا حال ہے حالانکہ ہر مذہب اور ہر فرقہ میں نیک سے نیک آدمی ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم کہتا ہے عیسائیوں میں سے بعض لوگ اِس قدر نیک ہیں کہ جب وہ خداتعالیٰ کا ذکر سنتے ہیں تو اُن کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگ جاتے ہیں۔7 اب عیسائیوں کا خداتعالیٰ سے کوئی خاص رشتہ نہیں۔ جس طرح اُن میں نیک لوگ پائے جاتے ہیں اِسی طرح ہندوؤں اور یہودیوں میں بھی نیک لوگ پائے جاتے ہیں۔ اور مسلمانوں میں تو نیک لوگوں کی تعداد دوسرے مذاہب سے بہت زیادہ ہونی چاہیے۔ اگر یہودیوں، ہندوؤں اور عیسائیوں میں سَو میں سے دس آدمی خداتعالیٰ کا خوف رکھنے والے ہوں تو مسلمانوں میں ساٹھ ستّر آدمی خداتعالیٰ کا خوف رکھنے والے ہونے چاہییں۔لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر محبت کا دروازہ نہیں کھولتے۔وہ آپس میں لڑائیاں اور جھگڑے کرتے رہتے ہیں اور اِس سے وہ روز بروز ایک دوسرے سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ پس تم جلسہ سالانہ کے ایام سے فائدہ اُٹھاؤ اور اپنے غیراحمدی رشتہ داروں اور دوستوں کو یہاں لاؤ۔ اور خود بھی ان ایام سے فائدہ اُٹھاؤ اور انہیں بھی سمجھاؤ کہ وہ وقت کا صحیح استعمال کریں۔ پھر یہاں کے لوگوں کو چاہیے کہ وہ

اپنے آپ کو مہمانوں کی خدمت کے لیے وقف کریں اور ایسا نمونہ پیش کریں کہ دوسرے لوگ انہیں دیکھ کر متأثر ہوں"۔ (الفضل 16 دسمبر 1954ء)

1: تذکرہ صفحہ 550 طبع چہارم

2: تذکرہ صفحہ 297 طبع چہارم

3: بخاری کتاب الادب باب المَعَارِیْضُ مَنْدُوحَةٌ عَنِ الکذِب

4: فٹن:(PHAETON)ایک قسم کی چار پہیوں کی بگھی(فیروزاللغات اردو جامع۔ فیروزسنز لاہور)

5: کپٹ:بُغض۔عناد۔کینہ۔دشمنی۔منافقت(اردو لغت تاریخی اصول پر جلد14 صفحہ 648 کراچی 1992ء)

6: وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ (المائدة:84)